معاہدۂ حدیبیہ۔ فقہی مطالعہ

* شاہ معین الدین ہاشمی

اسلام ایک مکمل اور جامع صفات ضابطۂ حیات ہے اور عالمی دین ہے جو کہ قانون و اخلاق پر مبنی اصولوں کی روشنی میں قومی و بین الاقوامی تعلقات کو فروغ دیتا ہے اور ایسی قانون سازی کی طرف راہ ہموار کرتا ہے جس سے انسانی تکریم اور قومی وقار کی سلامتی کے ساتھ انسانی فلاح و بہبود ممکن ہو سکے۔ اسی فلاح و بہبود کے لیے اسلام نے باہمی معاہدات کی مشروعیت، ان کی پابندی اور معاہدہ شکنی کی ممانعت کے لیے واضح اصول وتصورات پیش کیے ہیں جس کی عملی تطبیق آپ ﷺ کے غیر مسلموں کے ساتھ معاہدات کی شکل میں موجود ہے۔ آپ ﷺ کے یہ معاہدات ریاستی نظم ونسق کے ساتھ ساتھ دیگر اقوام وملل کے ساتھ اسلامی ریاست کے تعلقات کے سلسلہ میں ہمارے لیے واضح راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ ذیل میں معاہدات نبوی میں سے ایک معاہدہ ''صلح حدیبیہ'' پر بحث کی گئی ہے۔ اس معاہدہ کے اہم سیاسی وفقہی پہلوؤں کا مطالعہ پیش خدمت ہے۔

یکم ذوالقعدہ ۶ھ کو رسول اللہ ﷺ تقریباً چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ جب آپ ﷺ غدیر اشطاط پہنچے تو پتہ چلا کہ قریش مکہ نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر لشکر جمع کیا ہے اور مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ حدیبیہ پہنچے تو قریش کی طرف امن کی سفارت بھیجی اور واضح کیا کہ ہم محض زیارت کعبہ کے لئے آئے ہیں، جنگ کرنے نہیں۔ اہل مکہ کی طرف سے آپ ﷺ کے قاصد کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی وہ بڑی مشکل سے جان بچا کر واپس آیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بطور سفیر مکہ مکرمہ بھیجا۔ قریش مکہ کی طرف سے بھی بدیل بن ورقاء، مکرز بن حفص، عروۃ بن مسعود اور سہیل بن عمرو کو بطور سفیر بھیجا گیا چنانچہ دونوں فریقوں کے مابین صلح کا معاہدہ طے ہوا۔(۱)

---

* لیکچرر، شعبہ حدیث وسیرت، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

معاہدۂ صلح کی ضرورت

اس معاہدہ صلح کے پس منظر میں کئی اسباب وعوامل کارفرما تھے مثلاً:

- ۶ ھ میں روم وفارس کی لڑائی فارس کی شکست پر ختم ہوئی (۲) اور مسلمانوں کے لیے اس بات کا بہترین موقع میسر آیا کہ وہ فارس کے باجگزار علاقوں پر توجہ بڑھائیں۔ جس کے لیے اہل مکہ سے امن وصلح ضروری تھی۔ (۳)
- یہود مدینہ کی فطری شیطانیوں اور معاہدہ توڑنے کے سبب رسول اکرم ﷺ نے انہیں مدینہ سے نکال باہر کیا۔ (۴) یہ یہودی مدینہ کے آس پاس کے علاقوں، خیبر تا شام بکھر گئے اور انہوں نے دوسرے یہود و مشرکین کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرلیا۔
- مدینہ کے شمال مشرق میں غطفان وفزارہ وغیرہ قبائل (جو کہ یہود کے حلیف بھی تھے۔) نے مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ اتحاد کرلیا۔ (۵)
- مدینہ کے منافقین، مسلمانوں کے خلاف باہر کی تمام دشمن قوتوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔
- قریش مکہ جو کہ مسلمانوں کے طاقتور اور اہم ترین دشمن تھے مسلمانوں کے خلاف مسلسل ریشہ دوانیوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ (۶)

علامہ سرخسی کے مطابق صورتحال یہ تھی کہ: ''اگر مسلمان مکہ جاتے ہیں تو خیبر وغطفان مدینے پر چڑھ دوڑتے اور اگر مسلمان خیبر جائیں تو مکہ والے آ کر مدینہ لوٹ لیں''۔ کیونکہ مدینہ بیچوں بیچ واقع ہے شمال میں خیبر پانچ منزل اور جنوب میں مکہ بارہ منزل پر ہے۔ (۷)

مذکورہ بالا حالات کے مطابق مسلمانوں کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ایک ہی وقت میں تمام دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کرسکیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ضروری سمجھا کہ کسی ایک دشمن کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرلیا جائے۔

مشرکین مکہ سے صلح

مسلمانوں کے سامنے یہ اہم مسئلہ تھا کہ کسی ایک دُشمن کے ساتھ صلح کی جائے۔ لیکن سوال یہ بھی تھا کہ صلح کس کے ساتھ کی جائے؟

مسلمانوں کے دُشمنوں میں ایک طرف قبائل غطفان وفزارہ تھے، جن کا معیار یہ تھا کہ وہ محض لوٹ مار کے شائق، اور بے اصول خانہ بدوش عرب تھے۔ (۸) چنانچہ ان پر دوستی کا اعتبار کرنا مناسب ہی نہ تھا۔ شمال میں یہودِ خیبر اور بعض دیگر یہود تھے جو تمدنی اور نسلی وجوہ سے عربوں سے الگ تھے نیز انہیں مدینہ سے اپنی جلاوطنی اور جائیداد کا داغ بھی تھا جو اس کے بغیر نہیں مٹ سکتا تھا کہ وہ اپنی جائیداد مسلمانوں سے واپس لیں۔ (۹) چنانچہ ان کے ساتھ بھی صلح کے آثار نہ تھے۔ دوسری طرف مشرکین مکہ تھے جو کہ مکہ کے مستقل رہائشی وشہری باشندے تھے اور سیاسی شعور رکھتے تھے۔ (۱۰) اوران کے ساتھ صلح کے لیے میدان بہت سی وجوہات کی بنا پر کسی قدر ہموار بھی تھا۔ مثلاً:

- مسلمان مہاجرین کی اکثریت مکہ سے تعلق رکھتی تھی۔
- صلح حدیبیہ سے قبل سخت قحط کے زمانہ میں ایک مسلمان سردار، ثمامہ نے اہل مکہ کی خوراک کی رسد بند کر دی تھی جو آپ ﷺ کی سفارش سے دوبارہ بحال کر دی گئی۔ جس سے یقیناً اہل مکہ کے دلوں میں نرم گوشہ پیدا ہوا۔ (۱۱)
- اسی زمانہ میں رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے غرباء وفقراء کی امداد کے لیے پانچ سو اشرفیاں بھی روانہ کی تھیں جس سے اہل مکہ بہت متاثر ہوئے۔ (۱۲)
- صلح حدیبیہ سے قبل رسول ﷺ نے مکہ کے انتہائی بااثر سردار ابوسفیان بن حرب کی صاحبزادی سے عقد فرما لیا۔ (۱۳)
- مشرکین مکہ کی عراق وشام کی تجارتی گزرگاہ پر مسلمانوں نے اثر ورسوخ جما لیا جس سے اہل مکہ کو خاصا معاشی نقصان پہنچ رہا تھا جو کہ جانبین کی صلح سے ہی دور ہو سکتا تھا۔

- ذیقعدہ کا مہینہ تھا نیز آگے ایسے مہینے آرہے تھے جو قریش کے نزدیک بھی مقدس سمجھے جاتے تھے ان مہینوں میں دشمنوں کے ساتھ جنگ حرام سمجھی جاتی تھی۔
- قریش کو اپنی بدنامی کا اندیشہ تھا کہ مبادا، دنیا والے یہ نہ کہیں کہ قریش، لوگوں کو حج بیت اللہ سے روکتے ہیں۔
- حج کعبۃ پر اتفاق اور قریش کے ساتھ ہم قبلہ ہونا وغیرہ یہ تمام وہ اسباب تھے جن کی بنیاد پر قریش کے ساتھ صلح کے واضح آثار نظر آرہے تھے۔ آپ ﷺ نے ہر ممکن کوشش کی کہ مشرکین مکہ کے ساتھ جنگ سے بچا جائے اور صلح ہی کی جائے۔ اس کا اظہار کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے آج قریش مجھ سے جو مطالبہ کریں گے میں اسے قبول کروں گا۔ (۱۴) چنانچہ حدیبیہ کے مقام پر سفارتیں شروع ہو گئیں بالآخر سہیل بن عمرو کے ساتھ طویل گفت وشنید کے بعد معاہدہ طے پایا کہ۔

مسلمان اس سال مکہ آئے بغیر واپس ہو جائیں اور آئندہ برس عمرہ کریں۔ دس سال تک فریقین باہم جنگ نہیں کریں گے۔ اگر کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ جائے تو واپس کیا جائے گا۔ تجارت وغیرہ مسالمانہ ضرورتوں سے ایک دوسرے کے علاقہ سے گزرنے کی اجازت ہوگی۔ قبائل میں جو مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ حلفی کرنا چاہے یا قریش کے ساتھ، وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ (۱۵)

معاہدۂ حدیبیہ کی اہمیت وافادیت:

قریش کی پسندیدہ شرائط کا یہ معاہدہ بظاہر تو مسلمانوں کے مفاد میں نہ تھا لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ دراصل یہ معاہدہ مسلمانوں کے لیے فتح مبین تھا، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا﴾ (۱۶)

''بے شک (اے نبی) ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے''

قرآن مجید میں سورۃ الفتح کی مختلف آیات میں اس معاہدے کے دُوررس سیاسی، مذہبی واقتصادی فوائد و اثرات کی طرف نشاندہی کی گئی ہے مثلاً۔

(i) ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾(۱۷)

''یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی''

طبری نے مختلف روایات کو بنیاد بناتے ہوئے لکھا ہے کہ ''فتحاً قریباً'' سے مراد فتح خیبر ہے۔ اور ''فانزل السکینة علیھم'' سے مراد صبر اور وقار (سے فیصلہ کرنا) ہے۔(۱۸)

(ii) ﴿وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ......الخ﴾ (۱۹)

''اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ حاصل کریں''

(iii) ﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ......الخ﴾(۲۰)

''اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت ساری غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے، پس یہ تو تمہیں جلد ہی عطا فرما دی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے''

''معانم کثیرة تاخذونھا'' سے فتوحات اور اس کے نتیجہ میں مالی فوائد کی طرف اشارہ ہے یعنی مشرکین ہوازن وغطفان، فارس اور روم وغیرہ کے غنائم مسلمانوں کو حاصل ہوں گے۔''وکف ایدی الناس عنکم'' سے یہود اور قریش سے مسلمانوں کی حفاظت مراد ہے۔(۲۱)

(iv) ﴿وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا﴾. (۲۲)

''اور (تاکہ) تمہیں اور (غنیمتیں) بھی دے جس پر اب تک تم نے قابو نہیں پایا اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے قابو میں رکھا ہے''

''واُخری لم تقدروا علیھا'' سے مکہ، خیبر، روم وفارس کے علاقوں کی فتح مراد ہے جن کی طرف صلح حدیبیہ کے بعد فوراً ہی توجہ دی گئی''۔(۲۳)

امام زہری اس صلح
کے فتح عظیم ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"فما فتح في الاسلام فتح قبله كان اعظم منه، انما كان القتال حيث التقى الناس، فلما كانت الهُدنة، ووُضعت الحرب، و آمن الناس بعضهم بعضاً، والتقوا، فتفا و ضوافي الحديث والمناز عة، فلم يكلّم احد بالاسلام يعقل شيئاً إلادخل فيه، ولقد دخل في تينک السنتين مثلُ من كان في الاسلام قبل ذلک او أكثر". (۲۴)

"اسلام میں اس سے قبل کوئی بڑی فتح نہ تھی۔ جنگ میں تو لوگ گتھم گتھا تھے۔ جب امن و سکون ہو گیا، جنگ ختم ہوگئی لوگ ایک دوسرے سے امن میں ہو گئے وہ ایک دوسرے سے ملے، باہم بات چیت کی، جس نے بھی اسلام کی حقانیت کو سمجھا وہ اسلام میں داخل ہو گیا ان دو سالوں میں اتنے لوگ مسلمان ہوئے جتنے اس سے قبل نہیں ہوئے تھے یا اس سے بھی زیادہ مسلمان ہوئے"۔

ابن ہشام، زہری کی اس رائے کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زہری کی رائے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ کے لئے نکلے تو چودہ سو آدمی ساتھ تھے اور دو سالوں کے قلیل عرصے بعد فتح مکہ کے لیئے نکلے تو دس ہزار آدمی ساتھ تھے۔ (۲۵) چنانچہ وہ قبائل جو حدیبیہ کے موقعے پر آپ ﷺ کی دعوت کے باوجود مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلے تھے۔ اور ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ﴿سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْن.....الخ﴾ کا ارشاد فرمایا، (۲۶) فتح مکہ میں مسلمانوں کے لشکر میں پیش پیش تھے جن میں قبیلہ اسلم کے چار سو، جھینہ کے آٹھ سو اور مزینہ کے ایک ہزار افراد شامل تھے (۲۷)

۱۔ معاہدۂ حدیبیہ:

قریش مکہ اور مسلمانوں کے مابین طے ہونے والے معاہدۂ کا اردو متن حسب ذیل ہے: (۲۸)

۱۔ اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ (۲۹)

۲۔ یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبداللہ (۳۰) اور سہیل بن عمرو (۳۱) میں طے ہوا۔

۳۔ یہ صلح اس بات پر ہے کہ دس سال تک (فریقین کے مابین) جنگ روک دی جائے۔ (۳۲) جس کے دوران میں لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے رکے رہیں۔ (۳۳)

۴۔ یہ کہ محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو حج یا عمرہ یا تجارت کے لیے مکہ آئے تو اسے جان و مال کا امان ہوگا اور قریش کا جو آدمی تجارت کے لیے مصر یا شام (بروایت ابوعبید، شام یا مشرق) جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے تو اسے جان و مال کا امان حاصل ہوگا۔

۵۔ یہ کہ قریش کا جو فرد اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا تو اسے ان (قریش) کی طرف واپس کر دیا جائے گا اور محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے جو فرد قریش کے پاس آ جائے گا وہ اسے ان کے سپرد نہیں کریں گے۔ (۳۴)

۶۔ اور یہ کہ ہم میں باہم سینہ بندی رہے گی۔ (۳۵) نہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ (۳۶) کی جائے گی نہ ہی خفیہ کارروائی۔ (۳۷)

۷۔ جو شخص محمد (ﷺ) کے ساتھ معاہدے اور ذمہ داری میں شامل ہونا چاہے وہ ان کے ساتھ شامل ہو جائے اور جو قریش کے ساتھ معاہدے اور ذمہ داری میں شریک بننا چاہے وہ ان کے ساتھ شریک بن سکتا ہے۔ (۳۸)

۸۔ اور اس سال تم کو ہمارے پاس سے واپس جانا پڑے گا اور (تم) ہمارے ہاں مکہ میں داخل نہ ہو گے۔ البتہ اگلے سال ہم باہر چلے جائیں گے اور تم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں (مکہ) داخل ہو کر تین راتیں ٹھہر سکو گے۔ (۳۹) تمہارے پاس سوار کا ہتھیار ہوگا (یعنی) تلوار نیام میں پڑی ہو، اس کے سوا کوئی اور ہتھیار لے کر تم وہاں (مکہ میں) داخل نہیں ہوسکو گے۔ (۴۰)

۹۔ اور یہ کہ قربانی کے جانور وہیں رہیں گے۔ جہاں ہم نے ان کو پایا (حدیبیہ) اور ان کو ہمارے پاس (مکہ میں) نہیں لایا جائے گا۔ (۴۱)

معاہدہ حدیبیہ کے فقہی مباحث کا تفصیلی جائزہ

معاہدہ حدیبیہ کے ضمن میں مختصر لغوی وفقہی توضیحات حواشی میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں البتہ اہم فقہی مباحث کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ سفارتی امورواحکام

۲۔ اہل حرب کے ساتھ جنگ بندی کے معاہدے کی مدت

۳۔ معاہدہ صلح کے بعد فریقین کی ذمہ داریاں

۴۔ غیر مسلموں کی شرائط پر جنگ بندی اور صلح

۵۔ غیر مسلموں کے علاقے سے مسلمانوں کی دارالسلام (اسلامی حکومت) میں آمد پر پابندی کا معاہدہ

۶۔ حکومتوں کے مابین مجرموں کے تبادلہ کا معاہدہ

۷۔ ہتھیاروں کی پابندی کا معاہدہ

۸۔ غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی لین دین

۱۔سفارتی امورواحکام، صلح حدیبیہ کی روشنی میں

صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں نے اپنا سفیر مشرکین مکہ کی طرف بھیجا دوسری طرف مشرکین مکہ کی طرف سے بھی کئی سفارتیں مسلمانوں کے پاس آئیں اور معاہدہ صلح پر اتفاق ہوا۔جس سے امور سفارت سے متعلق کئی احکام کی وضاحت ہوتی ہے۔تفصیل حسب ذیل ہے۔

سفارت کا مفہوم

سفارت کا مادہ سفر ہے جس کے معنی ''پردہ اٹھانا'' اور کھولنے کے ہیں۔مثلاً کہا جاتا ہے کہ:

''سفرت بين القوم اسفر سفارة اى كشفت مافى قلب هذا و قلب هذا لا صلح بينهم''

(میں نے لوگوں کے مابین پردہ اٹھادیا اور سفر کیا اور جو کچھ ان (دونوں اقوام) کے قلب میں تھا اسے کھول دیا تا کہ ان کے مابین صلح کرادوں)۔(۴۲)

عربی میں سفیر کو رسول بھی کہا جاتا ہے جیسے کہ "نبی اکرم ﷺ نے عامل بحرین منذر بن ساوی کی طرف لکھا" و ان رسلی قد حمدوک" (میرے سفیروں نے تمہاری تعریف کی ہے)(۴۳)

سفیر

سفیر سے مراد وہ فرستادہ ہے جو بھیجنے والے کے مقصد کو واضح انداز میں مرسل الیہ تک پہنچاتا ہے۔سفیر کی مختلف تعریفات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قوموں کے درمیان رابطے استوار کرتا ہے اور کشیدگی اور غلط فہمی کو دور کرتا ہے۔ مثلاً تاج العروس میں سفیر سے مراد ہے "قوموں کے درمیان صلح کرانے والا"(۴۴)

اصفہانی کے نزدیک سفیر وہ آدمی ہے جو کسی قوم کی بات کی وضاحت کے لیے بھیجا جاتا ہے وہ فریقین کی منافرت کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اور سفیر کی بات بھیجنے والے کی بات کے برابر تصور کی جاتی ہے۔(۴۵)

جدید تعریف کے مطابق بھی سفیر سے مراد کسی حکومت کا وہ نمائندہ ہے جس کو اپنے ملک کی جانب سے مکمل اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور وہ اہم معاملات میں دوسری حکومت سے بات چیت کرتا ہے۔(۴۶)

صلح حدیبیہ میں آپ ﷺ کی طرف سے حضرت عثمانؓ کو مسلمانوں کا سفیر بنا کر مشرکین مکہ کے پاس بھیجا جانا، دوسری طرف مشرکین مکہ کے سفیروں سے امن و صلح کی بات چیت اور کوشش سے واضح ہوتا ہے کہ سفیر حکومت وقوم کا وہ نمائندہ ہوتا ہے جس کو اپنی حکومت کی طرف سے بات چیت کرنے، اپنا مؤقف واضح کرنے اور دوسری حکومت یا قوم کا مؤقف سننے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

مذاکرات امن

صلح حدیبیہ سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ سے قبل امن و صلح کی کوشش کرنی چاہیے۔جہاد سے مقصود یہ ہے کہ دین کی اشاعت اور غیر مسلموں کے شرور سے مسلمانوں کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کی جائے اگر یہی فوائد صلح سے

حاصل ہورہے ہوں تو لڑائی کی بجائے صلح کرنا ہی بہتر ہے۔(۴۷)

معاہدہ حدیبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح کی اس کوشش میں سفارت بہت اہمیت کی حامل ہے نیز جنگ سے بچنے کے لیے غیر مسلموں سے صلح کے لیے پہل کرنا بھی درست ہے۔اس ضمن میں ابن قیم لکھتے ہیں"و منها جواز ابتداء الامام بطلب صلح العدو إذا رأى المصلحة للمسلمين فيه و لا يتوقف ذلک على أن يكون ابتداء الطلب منهم" (۴۸)

سفیروں کے حقوق

معاہدۂ حدیبیہ کے مطابق سفیر اپنی حکومت کی طرف سے ایک محترم نمائندہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کے ساتھ حسن سلوک اور عزت واحترام سے پیش آنا چاہیے۔صلح حدیبیہ سے قبل مسلمانوں کی طرف سے بھیجے جانے والے قاصد خراش بن خزاعی تھے جن کے ساتھ مشرکین مکہ نے بہت برا سلوک کیا ان کی سواری کو قتل کر دیا اور انہیں بھی قتل کرنے کی کوشش کی اس کے باوجود آپ ﷺ نے مشرکین مکہ کے سفیروں کے ساتھ سلوک واحسان کا معاملہ فرمایا۔

قریش کی طرف سے آنے والے سفیر مکرز بن حفص کے متعلق آپ ﷺ نے پہلے سے بتا دیا تھا کہ وہ فاجر آدمی ہے لیکن بحیثیت سفیر آپ ﷺ نے اس کی بات سنی اور اچھا رویہ رکھا۔(۴۹) قریش کے ایک سفیر عروہ بن مسعود ثقفی نے گفتگو کے دوران آپ ﷺ کی بے اکرامی کی اور جاہلیت کی بعض درشت عادات کا ارتکاب کرتے رہے لیکن آپ ﷺ نے انہیں کوئی سرزنش نہیں فرمائی۔(۵۰)

سفیروں کو قید کرنا یا انہیں تکلیف پہنچانا جائز نہیں،ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب کے دو سفیر آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے سامنے مسیلمہ کی نبوت کا اقرار کیا۔آپ ﷺ نے انہیں نہ قید کیا نہ کوئی اور تعرض کیا بلکہ واضح فرمایا کہ تمہاری سزا تو قتل ہے لیکن سفیروں کو قتل کرنا (اسلام کی رو سے) جائز نہیں۔(۵۱)

مسلمانوں کے سفیر حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر پر آپ ﷺ کا صحابہ سے جنگ کرنے کی بیعت لینے سے پتہ چلتا ہے کہ سفیر کا قتل سٹیٹ کے خلاف اقدام جنگ کے برابر ہے۔

سفیر سے سربراہ مملکت کی ملاقات اور مذاکرات

کسی ملک کے سفیر سے سربراہ مملکت براہ راست ملاقات کر کے اپنا موقف واضح کر سکتا ہے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کی طرف سے قبیلہ خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقاء آئے تو آپ ﷺ نے ان سے ملاقات فرمائی۔ آپ ﷺ نے ان کی آمد کا مقصد پوچھا اور پھر اپنا موقف ومقصد واضح فرمایا کہ ہم جنگ کرنے نہیں آئے بلکہ زیارت کعبہ کے لیے آئے ہیں لہٰذا قریش کو چاہیے کہ ہم سے مصالحت کر لیں۔ (۵۲) اسی طرح قریش کے دیگر سفراء مکرز بن حفص اور عروہ بن مسعود ثقفی اور آخر میں سہیل بن عمرو آئے آپ ﷺ نے سب کے ساتھ بنفس نفیس ملاقات فرمائی بالآخر سہیل بن عمرو سے مذاکرات کامیاب ہوئے اور معاہدہ صلح طے ہوا۔ (۵۳)

معاہدہ کی تحریری دستاویز

معاہدہ شکنی یا کسی بھی بداعتمادی وبدگمانی اور باہمی تنازعہ وغیرہ سے بچنے کے لیے معاہدہ کو لکھ لینا ضروری ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ...... وَلَا تَسْـَٔمُوٓا أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰٓ أَجَلِهِۦ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰٓ أَلَّا تَرْتَابُوٓا﴾ (۵۴)

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو (اسی آیت کے اگلے حصہ میں ہے)''اور قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو لکھنے میں کاہلی نہ کرو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی درست رکھنے والی اور شک وشبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے''۔

اگرچہ جمہور مفسرین نے آیت میں کتابت کو ندب واستحباب پر محمول کیا ہے۔ (۵۵) تاہم آیت میں '' إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ''اور'' إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ '' سے مفہوم مخالف میں لکھنے کی تاکید ہوتی ہے یعنی ایسے معاہدات جن میں مدت کا تعین نہ ہو بالفاظ دیگر دائمی معاہدات کو لکھنا ضروری ہے (۵۶)

چنانچہ آپ ﷺ نے معاہدہ حدیبیہ کولکھوایا پھر اس کی نقل تیار کروائی، اصل معاہدہ اپنے پاس رکھا اور نقل سہیل بن عمرو (سفیر قریش) کے حوالے فرمائی'' (۵۷)

معاہدہ اور گواہ

سفراء کے مابین طے ہونے والے معاملات میں گواہوں کی بہت اہمیت ہے۔ قرآن میں ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُم﴾ (۵۸) ''اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو'' کی صورت میں اہم معاملات کے اندر گواہوں کی موجودگی کا حکم کیا گیا ہے۔ صلح حدیبیہ میں دونوں اطراف سے گواہوں کو شامل کیا گیا مسلمانوں کی طرف سے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ، محمود بن مسلمہ اور مشرکین کی طرف سے حویطب بن عبدالعزیٰ، عبداللہ بن سہیل اور مکرز بن حفص گواہ بنائے گئے۔ جنہوں نے معاہدہ پر اپنے اپنے دستخط بھی ثبت کیے۔ (۵۹)

۲۔ اہل حرب کے ساتھ جنگ بندی کے معاہدے کی مدت

صلح حدیبیہ کی دفعہ ۳ کی رو سے مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان دس سال کے لئے جنگ بندی کا معاہدہ طے ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حرب کے ساتھ طویل مدت کی جنگ بندی اور صلح کے معاہدے کرنا بھی جائز ہے۔

اسلامی شریعت میں غیر مسلموں کے ساتھ امن معاہدے کے سلسلے میں باقاعدہ کسی مدت کا تعین نہیں کیا گیا چنانچہ قرآن مجید سے موقت اور غیر موقت ہر دو معاہدوں کے بارے میں دلیل ملتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظٰهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (۶۰)

''بجز ان مشرکوں کے، جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انہوں نے تمہیں ذرا بھی نقصان نہیں پہنچایا نہ کسی کی تمہارے خلاف مدد کی ہے تو تم بھی ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو۔ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے''۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَاللّٰهِ وَعِنْدَرَسُوْلِهٖٓ اِلَّاالَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾(۶۱)

''مشرکوں کے لیے عہد، اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے رہ سکتا ہے سوائے ان کے جن سے تم نے عہد و پیمان مسجد حرام کے پاس کیا ہے جب تک وہ لوگ تم سے معاہدہ نبھائیں تم بھی ان سے وفاداری کرو۔ اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت رکھتا ہے''۔

مذکورہ بالا آیات میں پہلی آیت سے مؤقت جبکہ دوسری آیت میں مطلق معاہدہ امن کا ثبوت ملتا ہے۔(۶۲)

معاہدات نبوی ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مؤقت اور غیر مؤقت دونوں طرح کے معاہدات کیے۔ مؤقت معاہدات میں مثلاً عقبہ بن ابی امیہ سے چار ماہ تک کا معاہدہ۔ اور صلح حدیبیہ کا دس سال تک مدت کا معاہدہ ہے۔(۶۳) غیر مؤقت معاہدات میں بنوضمرہ، بنوغفار، بنواشجع، بنوخزاعہ، اہلیان نجران سے کئے جانے والے معاہدات سرفہرست ہیں۔(۶۴) یہ معاہدات اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلامی ریاست، غیر مسلم ریاست یا خود مختار غیر مسلم قوت سے مؤقت اور غیر مؤقت دونوں طرح کے معاہدات صلح طے کر سکتی ہے۔

اہل حرب سے غیر مؤقت معاہدہ صلح کے بارے میں فقہاء کے دو مؤقف ہیں۔ بعض فقہاء کے نزدیک غیر مؤقت معاہدہ جائز نہیں اور عندالبعض اس کا جواز ہے۔ اس اختلاف کی بنیاد دراصل یہ سوال ہے کہ غیر مسلموں سے تعلقات کی اصل بنیاد جنگ ہے یا امن؟

جن فقہاء کے نزدیک تعلقات کی اصل جنگ ہے وہ غیر مؤقت معاہدات کے جواز کے قائل نہیں اور جن کے نزدیک غیر مسلموں سے تعلقات کی اصل و بنیاد امن ہے وہ ایسے معاہدات کے جواز کے قائل ہیں۔

اول الذکر فقہاء میں امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابن تیمیہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ وہ قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ (۶۵) ''مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو''

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾(٦٦)

''تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایماندار ہو''۔

وہ ان آیات سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ صلح بجائے خود ایک کمزوری کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ مومنین کو مستقل طور پر اس صورت میں رکھنا پسند نہیں کرتا۔ نیز دائمی و غیر مؤقت معاہدہ اس لیے بھی درست نہیں کہ آئندہ ہوسکتا ہے کہ اسلام کے فروغ کے لیے اس معاہدہ کو ختم کرنا ضروری ہو جائے تو ایسی صورت میں معاہدہ شکنی کا ارتکاب کرنا پڑے گا۔ علاوہ ازیں ان فقہاء کے نزدیک اگر صلح کا دائمی معاہدہ کرلیا تو یہ مستقل طور پر جہاد کے ترک کرنے کے مترادف ہوگا۔ چنانچہ ابن قدامہ لکھتے ہیں۔

''لا تجوز المهادنة مطلقا من غير تقدير مدة لا نه يفضى الى ترك الجهاد بالكلية''(٦٧)

فقہاء احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر امام المسلمین مسلمانوں کا فائدہ و مصلحت سمجھتا ہے تو وہ غیر مؤقت و دائمی معاہدۂ امن کرسکتا ہے۔ کیونکہ غیر مسلموں کے ساتھ ہر وقت جنگ کرنا فرض نہیں۔ امام سفیان ثوری اور بعض دیگر فقہاءؒ عطا، عمرو بن دینار اور ابن شبرمہ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں ان کا موقف یہ ہے کہ:

''الجهاد تطوع وليس بفرض وان الامر للندب ولا يجب قتالهم الا دفعا لظاهر قوله تعالى ﴿فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ﴾(البقرة ١٩١) وقوله تعالى ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً﴾''(التوبه: ٣٦)(٦٨)

''مشرکین کے ساتھ جنگ کرنا فرض نہیں جب تک کہ پہل خود ان کی طرف سے نہ ہوا گر ان کی طرف سے ابتدا ہو تو جنگ لازمی ہے اس ارشاد باری تعالیٰ کے تکمیل میں کہ ''اگر وہ تم سے جنگ کریں تو انہیں قتل کرو'' نیز یہ ارشاد کہ ''تم سب مل کر مشرکین سے لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں''

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ فقہا کا یہ اختلاف اس سوال کا نتیجہ ہے کہ مشرکین کے ساتھ تعلقات کی اصل

جنگ ہے یا امن؟ اس سوال کی بنیاد پر بعض مغربی مؤلفین اور مستشرقین نے بعض فقہاء کے نقطہ نظر کو منفی انداز میں پیش کر کے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ فقہاء کے نزدیک غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی اصل جنگ ہی ہے۔(۶۹)

بدایۃ المجتہد کے مؤلف نے اس مسئلہ میں فقہاء کے نقطہ نظر کو نہایت جامع اور مثبت انداز میں پیش کیا ہے اس موضوع پر فقہاء کی بحوث کو سمیٹتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ:

''فقہاء میں حالت امن کی تائید کرنے والوں میں امام مالک، امام شافعی، اور امام ابوحنیفہ شامل ہیں۔ ان میں صرف امام شافعی امن کی اس مدت کو جائز نہیں قرار دیتے جو اس مدت امن سے زیادہ طویل ہو جسے رسول اللہ ﷺ نے کفار کے ساتھ اختیار فرمایا(۷۰) کسی ضرورت کے بغیر امن کے جواز کے سلسلہ میں فقہاء کے اختلاف کا سبب وہ ظاہری تعارض ہے جو آیات قرآنی ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ (۷۱) اور ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ (۷۲) کے درمیان نظر آتا ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کے نزدیک آیت جنگ، آیت امن کے لیے ناسخ ہے وہ بغیر ضرورت و مصلحت، امن کی حالت کو جائز نہیں سمجھتے، دوسری طرف جن لوگوں کے خیال میں آیت امن کے ذریعہ آیت جنگ کی تخصیص مراد ہے وہ حالت امن کو صحیح قرار دیتے ہیں اگر وہ امام المسلمین کے نزدیک فائدہ مند ہو(۷۳)

بدایۃ المجتہد کے مؤلف کی مذکورہ بالا بحث سے فقہاء کی آرا کا اصل مزاج و مطلب سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ وہ یہ کہ اگرچہ بعض فقہاء غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات میں حالت جنگ کو اصل قرار دیتے ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی انسانوں کی منفعت و مصلحت کی خاطر غیر مسلموں سے دیر تک صلح کرنا جائز ہے۔ چنانچہ امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کا مسلک اگرچہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ سے زائد مدت، یعنی دس سال سے زائد عرصہ کے لیے غیر مسلموں سے معاہدہ صلح کرنا جائز نہیں لیکن ساتھ ہی وہ اس بات کے قائل بھی ہیں کہ اگر مسلمانوں کا مفاد اس میں ہو کہ مدت میں اضافہ کیا جائے تو ایسا کرنا درست ہوگا۔ چنانچہ المغنی میں ہے " **وقال ابو الخطاب ظاهر كلام أحمد أنه يجوز على اكثر من عشر على مايراه الامام من المصلحة وبهذا قال ابو حنيفه** "(۷۴)

معاہدہ حدیبیہ کے ذیل میں ابن قیم لکھتے ہیں کہ اہل حرب سے دس سال کے لئے معاہدہ صلح کیا جا سکتا ہے اور مصلحت مسلمین کے پیش نظر اس سے زیادہ مدت کا معاہدہ کرنا بھی جائز ہے چنانچہ زاد المعاد میں آپ لکھتے ہیں:

" وفيها: جواز صلح اهل الحرب على وضع القتال عشر سنين ، وهل يجوز فوق ذلک؟ الصواب: انه يجوز للحاجة والمصلحة الراجحة"(۷۵)

علاوہ ازیں مالکیہ، زیدیہ اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے کہ صلح غیر مؤقت ہی اگر مسلمانوں کے مفاد و مصلحت میں ہو تو جائز ہے۔(۷۶) معروف حنفی فقیہ و محدث، بدرالدین عینی اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ "اہل علم کے نزدیک صلح کی باقاعدہ کوئی حد مقرر نہیں۔ یہ مسلمانوں کی ضرورت و مصلحت اور امام و اہل الرائ کے اجتہاد پر موقوف ہے کہ اگر وہ چاہیں تو یہ معاہدہ کر سکتے ہیں۔"(۷۷)

۳۔ معاہدۂ صلح کے بعد فریقین کی ذمہ داریاں

صلح حدیبیہ کی رو سے صلح کے معاہدے کے بعد درج ذیل امور کی پابندی جانبین کے لیے ضروری ہو جاتی ہے

معاہدۂ کا احترام:

صلح حدیبیہ کی دفعہ نمبر ۶ کی رو سے پتہ چلتا ہے کہ معاہدۂ صلح کا نہایت درجہ تحفظ کیا جانا ضروری ہے چنانچہ معاہدہ کی دفعہ مذکورہ میں ہے کہ "وان بيننا عيبة مكفوفة" یعنی صلح کو توڑنے کے لئے کوئی غداری نہ ہو سکے گی۔

اسلام کی عمومی تعلیمات کی رو سے بھی معاہدات کا احترام کرنا نہایت ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِاللّٰهِ اِذَاعٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴾(۷۸)

"اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قول و قرار کرو اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو، تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو بخوبی جان رہا ہے"۔

قرآن میں اہل ایمان کی تعریف میں بتایا گیا ہے کہ "وہ اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی نگہداشت کرتے ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾(۷۹)

''رسول اللہ (ﷺ) نے بھی عہد شکن اور دھوکا باز کی سخت مذمت فرمائی ہے۔ (۸۰) اور عہد شکنی کو نفاق کی نشانی قرار دیا ہے۔ (۸۱)

معاہدہ کے کسی حصے کی خلاف ورزی

صلح حدیبیہ کی رو سے پتہ چلتا ہے کہ معاہدہ کے کسی بھی جزو کی خلاف ورزی کرنا عہد شکنی اور بدعہدی کے زمرہ میں داخل ہے۔ چنانچہ جب حدیبیہ میں معاہدہ کی شرائط پر اصولی طور پر اتفاق ہو گیا لیکن ابھی شرائط لکھی جا رہی تھیں کہ سہیل بن عمرو کے صاحبزادے حضرت ابو جندل بھاگ کر مسلمانوں سے آ ملے اور نہایت دردناک انداز میں مسلمانوں سے اپیل کی کہ انہیں واپس نہ بھیجا جائے مگر آپ ﷺ نے انہیں واپس کر دیا اور فرمایا:

''انا قد اعطینا ھوء لاء القوم ما قد علمت ولا یصلح لنا فی دیننا الغدر و ان اللّٰہ جاعل لک ولمن معک من المستضعفین فرجاً و مخرجا فانطلق الی قومک'' (۸۲)

''تم جانتے ہو کہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے۔ ہمارے دین میں عہد شکنی اور بے وفائی جائز نہیں اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دیگر کمزور ساتھیوں کی کوئی صورت نکالے گا۔ لہٰذا تم اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ''۔

اسی طرح کے ایک اور واقعہ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے بھاگ کر مدینہ آنے والے صحابی ابوبصیر کو بھی واپس کر دیا۔ (۸۳)

ایک دوسرے کے نقصان سے گریز

جب دو قوموں یا ممالک کے درمیان صلح یا جنگ بندی کا معاہدہ طے ہو جائے تو پھر ایک دوسرے کو نقصان پہنچانا جائز نہیں۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کی دفعہ نمبر ۲ میں ہے۔

''یامن فیھن الناس و یکف بعضھم عن بعض''

''لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے رکے رہیں''

المبسوط میں ہے:

"لان الهدنة تقتض الكف عن انفسهم و أموالهم و أعراضهم" (۸۴)

"معاہدہ صلح کی وجہ سے جان، مال اور عزت کی حفاظت ضروری ہو جاتی ہے"۔

غلطی سے اگر کسی معاہد کی جان و مال کو نقصان پہنچ گیا تو اس کا بدل و دیت ادا کرنی ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾(۸۵)

"اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے تو خون بہا لازم ہے جو اس کے کنبے والوں کو پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا بھی ضروری ہے"

معاہدہ حدیبیہ کی رو سے معاہدین کی افواج کا ایک دوسرے کی حدود میں تصرف اور ہر قسم کی خفیہ اور کھلی سازشوں میں حصہ دار بننا جائز نہیں۔ معاہدہ کی دفعہ نمبر ٦ سے اس اصول کی نہایت درجہ وضاحت ہوتی ہے جس میں ہے کہ "ان بيننا عيبة مكفوفة، ولا اسلال ولا اغلال" "باہم غداری نہیں کی جائے گی خفیہ اور کھل کر ایک دوسرے کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی"۔

صلح کے بعد باہمی ذمہ داریوں اور ضروری امور سے متعلق امام ماوردی لکھتے ہیں کہ معاہدہ صلح کے بعد تین امور ضروری ہو جاتے ہیں۔

۱۔ ظاہری موادعۃ: یعنی ایک دوسرے سے لڑائی کرنے اور نقصان پہنچانے سے احتراز۔

۲۔ باطنی خیانت: مثلاً کسی کو قتل کرنا یا مال چوری کر لینا وغیرہ۔

۳۔ مجاملة في الاقوال و الأفعال: یعنی باہم حسن عمل اور حسن سلوک۔(۸۶)

۴۔ غیر مسلموں کی شرائط پر جنگ بندی اور معاہدۂ صلح

معاہدۂ حدیبیہ کی دفعہ نمبر ا میں جب "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھا جانے لگا تو مشرکین مکہ کے سفیر سہیل نے

اعتراض کیا کہ ہم اس کونہیں جانتے آپ ''باسمک اللھم'' لکھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے باسمک اللھم لکھوا دیا۔ اسی طرح دوسری شق میں ''محمد رسول اللہ'' لکھنے پر سہیل نے پھر اعتراض کیا تو آپ ﷺ نے ''محمد بن عبداللہ'' لکھ دیا اور ساتھ ہی زبانی تصدیق فرمادی کہ اللہ کی قسم میں یقیناً اللہ کا رسول ہوں چاہے تم تسلیم کرو یا نہ کرو۔ (۸۷)

مذکورہ بالا دونوں باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ان کی طرف سے رکھی جانے والی شرائط پر صلح کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ شرائط مسلمانوں کے حق میں مضر نہ ہوں۔ چونکہ یہ دونوں باتیں ''باسمک اللھم'' اور ''محمد بن عبداللہ'' فریقین کے لیے درست تھیں مسلمانوں کے لیے بھی نہ اس میں کوئی جھوٹ تھا اور نہ ہی بت پرستی، لہٰذا آپ ﷺ نے دونوں شرائط کو تسلیم کرلیا۔ (۸۸)

معاہدہ حدیبیہ کی دیگر دفعات سے بھی اس کی تائید ہو رہی ہے۔ مثلاً معاہدہ کی دفعہ نمبر پانچ کے مطابق قریش کا جو فرد اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا تو اسے قریش کی طرف واپس کر دیا جائے گا اور مسلمانوں میں سے جو فرد قریش کے پاس آئے گا وہ اسے ان کے سپرد نہیں کریں گے۔ علاوہ ازیں دفعہ نمبر ۸ کے مطابق مسلمانوں کا اس سال بغیر زیارت بیت اللہ واپس جانے کی شرط وغیرہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مصلحت کے پیش نظر غیر مسلموں کی شرائط پر بھی معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے عمومی مفاد اور بڑے فساد سے بچنے کی خاطر مشرکین کے ساتھ ایسا معاہدہ کرنا جائز ہے اگرچہ اس سے کچھ مسلمانوں کو تکلیف ہی کیوں نہ پہنچ رہی ہو۔ (۸۹)

ابو عبید اور بعض دیگر فقہا اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ اگر جنگ بندی اور صلح ہی مسلمانوں کے مفاد میں ہو تو اپنے پاس سے کچھ مال وغیرہ دے کر صلح کرنا بھی جائز ہے۔ اس کی دلیل کے طور پر اکثر فقہاء غزوۂ احزاب کا واقعہ نقل کرتے ہیں۔ اس غزوہ میں تمام مشرکین عرب نے مسلمانوں کے خلاف اتحاد کر لیا تھا۔ انہوں نے دس دن تک مسلمانوں کا محاصرہ کر رکھا جس سے مسلمانوں کو بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا جس کے متعلق قرآن مجید میں بھی اشارہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا﴾ (۹۰)

''جب کہ (دشمن) تمہارے پاس اوپر سے اور نیچے سے چڑھ آئے اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے''۔

اس موقع پر آپ ﷺ نے قبائل غطفان کو الگ کرنے کے لیے ان کے سردار کو یہ پیش کش کی کہ اگر وہ مسلمانوں سے جنگ بندی کرے اور قبائل غطفان کو لے کر واپس ہو جائے اور مخالفین کا ساتھ نہ دے تو اسے ہر سال مدینہ کی کھجوروں کی پیداوار کا ثلث ۱/۳ ادیا جائے گا۔(۹۱) چنانچہ شرح السیر میں ہے۔

"ولا باس بدفع بعض المال علی سبیل الرفع عن البعض اذا خاف ذهاب الکل فاما اذا کان بالمسلمین قوة علیهم فانه لا یجوز الموادعة بهذا الصفة لأن فیها التزام الریبة والتزام الذل (الخ) (۹۲)

ابن قدامہ مذکورہ واقعہ حنین کو بنیاد بناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو بڑے نقصان سے بچانے کے لیے مال دے کر صلح کا معاہدہ کرنا بھی جائز ہے۔امام احمد اور شافعی کی رائے بھی یہی ہے۔المغنی میں ہے۔

"و أما إن صالحهم علی مال نبذله لهم فقد أطلق احمد القول بالمنع منه و هو مذهب الشافعي لأن فیه صغاراً للمسلمین وهذا محمول علی غیر حال الضرورة فأما إن دعت إلیه ضرورة وهو أن یخاف علی المسلمین الهلاک أو الأسر فیجوز لأنه یجوز للأسیر فداء نفسه بالمال فکذا هٰهنا ولأن بذله المال إن کان فیه صغار فإنه یجوز تحمله لدفع صغار أعظم منه وهو القتل والأسر و سبی الذریة الذین یفضی سبیهم إلی کفرهم " (۹۳)

امام اوزاعی سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ ایسی صورت میں جب مسلمانوں کے قلعہ کو اہل کفر نے گھیر لیا ہو اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ ان سے مقابلہ مسلمانوں کے بس میں نہیں، کیا وہ (مسلمان) اپنے ہتھیار و اموال دے کر ان سے صلح کر سکتے ہیں؟ امام اوزاعی نے فرمایا کہ اس صورت میں ایسا کرنا جائز ہے۔(۹۴)

تاہم اس کا اصل مدار ضرورتِ شرعیہ پر ہے۔بعض استثنائی حالات میں بقدر ضرورت بعض ناپسندیدہ امور بھی گوارا کیے جا سکتے ہیں۔فقہاء نے قاعدہ شرعیہ "الضرورات قد تبیح المحظورات"(۹۵) (ضرورتیں کبھی ممنوع اشیاء کو مباح کر دیتی ہیں) کے ضمن میں بہت ساری ناپسندیدہ اشیاء کے گوارا کر لینے کو جائز قرار دیا ہے۔

۵۔غیر مسلم ممالک کے مسلمان شہریوں کی اسلامی ریاست میں آمد پر پابندی کا معاہدہ

صلح حدیبیہ کی دفعہ نمبر ۵ میں ہے کہ قریش کا کوئی آدمی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد ﷺ کے پاس آئے گا تو اسے ان (قریش مکہ) کے حوالے کیا جائے گا۔ اس دفعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں کے مفاد میں ہو تو غیر مسلم ممالک کے ساتھ اس طرح کا معاہدہ کرنا بھی جائز ہے جس کے مطابق کسی غیر مسلم ملک کا مسلمان شہری ان کی اجازت کے بغیر اسلامی مملکت میں آئے تو ان کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے۔ ابن قیم لکھتے ہیں:

"ومنها' جواز صلح الكفار على رد من جاء منهم المسلمين، وألا يرد من ذهب من المسلمين اليهم" نیز لکھتے ہیں کہ **"لا يجب رده بدون الطلب"**(۹۶)

بعض شوافع فقہاء بھی اس شرط کے ساتھ صلح کے قائل ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ایسے معاملہ میں بھاگنے والے مسلمان پر ہجرت واجب نہیں رہتی۔(۹۷)

احناف اس شرط پر صلح جائز نہیں سمجھتے اور اس معاملہ کو حضور ﷺ کی خصوصیت شمار کرتے ہیں کیونکہ اس معاملے میں مؤمنین کی آسانی کا علم حضور ﷺ کو وحی کے ذریعہ ہو چکا تھا۔ ہمارے لیے ایسا کرنا جائز نہیں (۹۸) اس شرط کو ناجائز کہنے والے فقہاء حدیث نبوی کو بھی دلیل بناتے ہیں کہ **(انا بری من مسلم بين المشركين)**(۹۹)

عہد حاضر میں جہاں ملکوں اور ان کی سرحدوں کے حوالے سے تمام قوانین طے ہوتے ہیں، نیز کسی اسلامی ملک پر پوری طرح دارالاسلام کا اطلاق بھی نہیں ہوتا' دوسری طرف غیر مسلم جمہوری ممالک میں مسلمان ہونے والے افراد کو مذہبی آزادی بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان حالات میں شوافع کی رائے ہی قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

۶۔حکومتوں کے مابین مجرموں کے تبادلہ کا معاہدہ

معاہدہ کی دفعہ نمبر ۵ "قریش کا جو فرد اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے گا تو اسے ان (قریش) کی طرف واپس کر دیا جائے گا" سے نیز واقعہ ابو بصیر و ابو جندل سے بعض فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کسی غیر ملک کا مسلمان باشندہ وہاں کے قوانین کی خلاف ورزی کر کے مسلمان ملک میں آ جائے تو اُن (غیر مسلم حکومت) کے مطالبہ پر اسے واپس کیا جا سکتا ہے۔ بعض شوافع کے نزدیک کسی غیر مسلم

سلطنت کے سپرد کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے جب وہاں اس کے حقوق کا تحفظ ممکن ہو(۱۰۰)۔ جدید قانون بین الاقوام میں ایسے افراد کی سپردگی کے معاہدات جو دو یا زیادہ ملکوں کے مابین قرار پائیں، کو مجرموں کے تبادلہ کے معاہدات کہا گیا ہے تاہم جن ممالک میں ایسے معاہدات موجود نہیں ہیں ان میں بھی عالمی قوانین کے مطابق کسی ملک کی امن وسلامتی کو نقصان پہنچانے والے افراد کی سپردگی کا طریق کار رائج ہے۔(۱۰۱)

۷۔ہتھیاروں کی پابندی کا معاہدہ

معاہدۂ حدیبیہ کی دفعہ نمبر ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے ماسوا تلوار کے دیگر ہتھیاروں کے مکہ میں لے جانے پر پابندی کی شرائط کو قبول کر لیا تھا۔ معاہدہ کی شق نمبر ۸ ''**فلا تدخل علینا مکة و انها اذا کان عام قابل خرجنا عنک فدخلتها و اصحابک فاقمت بها ثلاثا سلاح الرکب : السیوف فی القرب ذو لاتدخلها بغیرها**''(۱۰۲) سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا سربراہ مصلحت مسلمین کو دیکھتے ہوئے ہتھیاروں کے محدود استعمال یا وقتی طور پر ہتھیاروں کے استعمال کی پابندی کا معاہدہ کر سکتا ہے۔ تاہم یہاں یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں ایٹمی ہتھیاروں کی بندش کے عالمی معاہدات کے تحت بعض ہتھیاروں کی خرید ممنوع ہے اور ایسی خرید و فروخت کو عالمی قوانین کی خلاف ورزی سمجھا گیا ہے۔ ۱۹۶۳ میں امریکہ، روس اور برطانیہ کے معاہدہ کے تحت حالت امن میں زمین، زیر زمین (بحر میں) اور فضاء میں ایٹمی اسلحہ کے تجربات ممنوع قرار پائے اس معاہدہ کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہتھیاروں کے پھیلاؤ کی روک تھام بیان کیا گیا ہے(۱۰۳)

اس مسئلہ کو شرعی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو دلائل کی رو سے اسلامی ریاست کے لئے اسلحہ کی بندش کے معاہدات جائز نہیں ۔کیونکہ ایسے معاہدات اسلامی ریاست کے لئے ایٹمی اسلحہ سے محرومی کی صورت میں سامنے آتے ہیں جب کہ اصلاً ریاست اس بات کی پابند ہے کہ وہ دشمنوں کے خلاف ایسی تمام قوتوں سے لیس ہو جو اس کے دشمنوں کے پاس موجود ہیں تاکہ طاقت کا توازن رہے اور مقابل ریاست اسلامی سلطنت سے رعب وہیبت کی کیفیت میں رہے۔ نصوص قرآنی کا مطمع مقصود بھی یہی ہے۔ آیت کریمہ ﴿**وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ**﴾(۱۰۴) میں لفظ قوۃ سے تمام انواع کے ہتھیاروں کے حصول کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔

۸۔غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی لین دین

معاہدہ کی دفعہ نمبر ۴ سے پتہ چلتا ہے غیر مسلم معاہدین کے ساتھ تجارت کا لین دین کرنا جائز ہے۔قرآن مجید کی آیت بیع اپنے عموم کی وجہ سے اس کی دلیل کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (۱۰۵) ''اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا''

رسول اللہ ﷺ کی کئی احادیث سے بھی غیر مسلموں کے ساتھ تجارت کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

((ان النبی ﷺ اشتری طعاماً من یهودی الی اجل و رهنه درعه من حدید)) (۱۰۶)

''نبی ﷺ نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لئے غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی زرہ رہن رکھی''۔

دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا انتقال ہوا اور آپ کی زرہ یہودی کے پاس تیس صاع شعیر کے بدلہ میں رہن رکھی ہوئی تھی۔(۱۰۷)

ابن دقیق العید لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کفار سے معاملہ کرنا جائز ہے (۱۰۸) علاوہ ازیں حضرت ثمامہ بن اثال کا اہل مکہ کے لئے غلہ کی بندش اور آپ ﷺ کا اس بندش کو ختم کرنے کا حکم دینا (۱۰۹) نیز خود رسول اللہ ﷺ کا ابو سفیان کو مکہ میں عجوہ کھجور بھیجنا اور ان سے کھالوں کا مطالبہ کرنا وغیرہ (۱۱۰) یہ تمام اس بات کے دلائل ہیں کہ غیر مسلموں سے تجارتی لین دین کرنے کی ممانعت نہیں۔

جمہور فقہاء، مالکیہ، احناف، شوافع، حنابلہ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ غیر مسلم حتیٰ کہ حربی کے ساتھ بھی تجارتی لین دین کرنا جائز ہے البتہ یہ تجارت ایسی اشیاء کی نہیں ہونی چاہیے جس سے غیر مسلم کو براہ راست جنگی فائدہ پہنچے (۱۱۱)

نتائج

معاہدہ حدیبیہ پر مذکورہ بحث سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

- معاہدہ صلح حدیبیہ مسلمانوں کے لئے فتح مبین ثابت ہوا۔
- سفیر قوم کا بااختیار نمائندہ ہوتا ہے جو کہ اس قوم کی طرف سے معاہدہ طے کرسکتا ہے۔
- سفیروں کے ساتھ حسن سلوک اور عزت واحترام کا معاملہ کرنا ضروری ہے۔
- امن کے قیام کے لئے جنگ سے قبل مذاکرات نہایت مستحسن عمل ہے۔
- غیر مسلم محاربین اگر صلح کی طرف مائل ہوں تو ان سے معاہدہ صلح کرنا بہتر ہے۔
- دو فریقوں کے مابین طے ہونے والے معاہدہ کا ریکارڈ رکھنا دونوں کے لئے ضروری ہے۔
- معاہدہ شکنی عظیم الشان جرم ہے۔
- معاہدے کے کسی حصے کی خلاف ورزی معاہدہ شکنی کے مترادف ہوگی۔
- معاہدہ امن کے بعد ایک دوسرے کی جان، مال اور عزت کو نقصان پہچانا جائز نہیں۔
- غیر مسلموں کے ساتھ خارجی تعلقات کی بنیاد ''امن'' ہے۔
- اسلامی ریاست غیر مسلموں کے ساتھ مؤقت اور غیر مؤقت صلح کے معاہدات طے کرسکتی ہے۔
- مسلمانوں کی منفعت و مصلحت کی صورت میں غیر مسلموں کے ساتھ جنگ بندی کا مؤقت اور طویل معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔
- مصالح مسلمین کی خاطر محارب کو کچھ دے کر صلح کرنا بھی جائز ہے۔
- غیر مسلموں کے ساتھ صلح کا معاہدہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ مسلمانوں کا اجتماعی مفاد مجروح نہ ہو۔
- ریاست کے دارالحکومت میں امن وامان کے خصوصی قوانین کا نفاذ کیا جاسکتا ہے۔

- بے گناہ اور جنگ سے لاتعلق رہنے والے شہریوں کو جنگی نقصان سے بچانے کی خاطر غیر مسلموں کے ساتھ پرامن علاقہ (No War Zone) کا معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔
- مصالح مسلمین کی خاطر ہتھیاروں کے استعمال کی پابندی کا معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ ہتھیاروں کے حصول کی پابندی کا معاہدہ کرنا جائز نہیں۔
- غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی لین دین کرنا جائز ہے۔
- دوسرے ممالک میں جانے کے لیے وہاں کے قوانین کی پابندی کرنا ضروری ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، طبعۃ الحلبی القاہرہ: ۳/ ۳۲۵، ابن قیم، زاد المعاد (تحقیق عبد الرزاق المھدی) دار الکتاب العربی، بیروت: ۲/ ۵۲۶تا۵۲۹) اس صلح پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم فتح کی خوشخبری سنائی۔ (الفتح:۱)

(۲) الروم:۱

(۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، دار الاشاعت کراچی، ص:۱۰۴۔۱۰۵

(۴) مسلم، الصحیح، باب اجلاء الیہود من الحجاز، حدیث نمبر (۴۵۹۲، ۴۵۹۶)

(۵) البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف، حدیث نمبر (۴۳۳۷)، ابن ہشام م ن: ۲/ ۳۲۵، ۳۴۴، الواقدی، محمد، المغازی، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، کتاب المغازی: ۲/ ۶۳۷

(۶) ملاحظہ ہوں قریش کی مسلمانوں کے خلاف بدر، احد، خندق وغیرہ کی جنگیں

(۷) السرخسی، المبسوط، دار المعرفۃ بیروت، ۱۰/ ۸۶

(۸) بعض قبائل کے واقعات کے لئے ملاحظہ ہو، البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ الرجیع، باب نمبر ۲۹ کی روایات، العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دار المعرفۃ، بیروت، ۸/ ۲۶۰، ۷/ ۴۵۸

(۹) مسلم، الصحیح، کتاب الجہاد، باب اجلاء الیہود من الحجاز، نیز باب جواز قتال من نقض العھد، حدیث نمبر (۴۵۹۲، ۴۵۹۶)

(۱۰) مثلاً ملاحظہ ہو واقعہ حلف الفضول، ابن ہشام، م ن ۱/ ۱۴۱، نیز قبل از اسلام مکہ میں سیاسی ادارے اور وزارتیں موجود تھیں، اہل مکہ حلیفی، وسفارتی اصول وضوابط کے پابند تھے ملاحظہ ہو۔ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، مطبعہ نخبۃ التالیف والترجمہ، قاہرہ ۱۹۵۳، ۳/ ۳۱۴، نیز الندوی، سلیمان، تاریخ ارض القرآن، محمد سعید اینڈ سنز، کراچی: ۳۱۲، محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی سندھ، ص: ۳۵۔

(۱۱) البخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفۃ، حدیث نمبر (۴۳۷۲)، ابن ہشام، م ن: ۲/ ۶۳۹

(۱۲) اس کا اظہار ابوسفیان نے کیسے کیا؟ ملاحظہ ہو، المبسوط، (م ن) ۱/ ۹۲

(۱۳) ابن حبیب، المحبر، طبع وزارۃ المعارف، سعودی عرب، ص، ۸۸

(۱۴) البخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد و المصالحة مع اهل الحرب، حدیث نمبر (۲۷۳۱، ۲۷۳۲)

(۱۵) محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعھد النبوی والخلافۃ الراشدہ دار الارشاد، بیروت، (طبع ثالث) ۱۹۶۹ء، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۱

(۱۶) الفتح:۱

(۱۷) الفتح،۱۸

(۱۸) الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان (تفسیر طبری)، دار المعرفۃ، بیروت: ۲۶/ ۵۵، ۵۶

(۱۹) الفتح:۱۹

(۲۰) الفتح ۲۰

(۲۱) روایات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر طبری، م ن: ۲۶/ ۵۵، ۵۷

(۲۲) الفتح:۲۱

(۲۳) تفسیر طبری: ۲۶/ ۵۷، ۵۸، السہیلی، عبدالرحمٰن، الروض الانف، دار النصر للطباعۃ، القاہرہ،: ۶/ ۴۶۸

(۲۴) الروض الانف: ۶/ ۴۶۸

(۲۵) نیز ملاحظہ ہو، ابن قیم، زاد المعاد، م ن: ۲/ ۵۳۶

(۲۶) الفتح: ۱۵، ۱۶، ملاحظہ ہو۔ تفسیر الطبری: ۲۶/ ۴۹

(۲۷) واقدی، کتاب المغازی، م ن: ۲/ ۸۰۰، نیز ابن ہشام: ۴/ ۴۲

(۲۸) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۳/ ۳۲۵، ابن قیم، زاد المعاد: ۲/ ۵۲۶، ۵۲۹،

(۲۹) صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب معاہدہ لکھوانا شروع کیا تو حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لکھو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" تو سہیل نے کہا کہ "ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نہیں جانتے، آپ "**باسمک اللھم**" لکھیں۔ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا "اچھا یہی لکھ دو۔ چنانچہ "**باسمک اللھم**" ہی لکھا گیا۔ (مسلم، الصحیح، **کتاب الجھاد والسیر، باب صلح حدیبیۃ**، حدیث نمبر (۴۶۳۱) تفسیر الطبری، م ن: ۲۶/ ۵۹

(۳۰) (i) رسول اللہ ﷺ نے جب "محمد رسول اللہ" لکھوانا چاہا تو سہیل نے دوبارہ مداخلت کی اور کہا خدا کی قسم! اگر ہم نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول مان لیا ہوتا تو ہم آپ سے جنگ ہی نہ کرتے۔ آپ محمد بن عبداللہ لکھیں اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی قسم! میں یقناً اللہ کا رسول ہوں چاہے تم تسلیم کرو یا نہ کرو" پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم فرمایا۔ حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے اس کو مٹانے سے معذرت کر دی چنانچہ رسول للہ ﷺ نے خود اسے مٹا دیا اور پھر "محمد بن عبداللہ" ہی لکھا گیا (مسلم، کتاب الجھاد والسیر، باب صلح حدیبیۃ، حدیث نمبر (۴۶۳۱)

(ii) اگر جنگ کرنا مسلمانوں کے مفاد میں نہ ہو تو امیر المسلمین غیر مسلم اہل حرب کی شرائط پر بھی صلح کر سکتا ہے۔ ......مسلمانوں کے مفاد کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ اس موقع پر جنگ سے بچنا چاہتے تھے چنانچہ اس موقع پر

آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، کعبہ کے اس تقدس اور حرمت کے سلسلے میں جو اللہ تعالی کو مطلوب ہے آج قریش مجھ سے جو مطالبہ کریں گے میں اسے قبول کروں گا" (بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد، والمصالحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط، حدیث نمبر (۲۷۳۱، ۲۷۳۲)، نیز ملاحظہ ہو فتح الباری، م ن: ۵/ ۳۲۹)

(iii) حضرت علیؓ کا "رسول اللہ" کا لفظ نہ مٹانا:

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے معاہدے میں لکھے ہوئے "رسول اللہ" کے الفاظ کاٹنے کے لیے فرمایا تو انہوں نے عرض کی کہ "میں ان الفاظ کو کاٹنے والا نہیں ہوں" علامہ نووی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جو کچھ کیا یہ ادب مستحب ہے، کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ نبی ﷺ نے ان الفاظ کو کاٹنے کا وجوبی حکم نہیں دیا اور اگر وجوبی حکم دیتے تو حضرت علیؓ سے حکم عدولی ممکن نہیں تھی۔ بعض علماء اس سے "الادب فوق الامر" کا ضابطہ بھی ثابت کرتے ہیں اور اس سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ کا باوجود حکم نبوی کے نماز میں پیچھے ہٹنے کو بھی دلیل بناتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو، النووی، یحییٰ بن شرف، شرح مسلم، نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ: ۲/ ۱۰۴)

(۳۱) سہیل بن عمرو عرب کے نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے انہیں "خطیب قریش" کا خطاب دیا گیا تھا۔ جب یہ بطور سفیر بن کر مسلمانوں کے پاس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سہیل کا آنا تمہارے لیے خوش آئند ہے۔ اب تمام معاملات آسان ہو جائیں گے۔ یہ فتح مکہ میں مسلمان ہوئے اور خلافت عمرؓ، ۱۸ ہجری میں انتقال ہوا اور اسلام کے لیے بہت سی خدمات سرانجام دیں۔ مسند احمد، ۴/ ۳۲۴، ابن اثیر، عزالدین اسد الغابة فی معرفة الصحابة، دار الشعب، قاہرہ نمبر ۲۳۲۵)

(۳۲) غیر مسلم محاربین سے صلح:

مسلمانوں کے محاربین میں قریش سرفہرست تھے، ان کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ غیر مسلم اگر صلح کی طرف مائل ہوں تو ان سے صلح کی جاسکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ (الانفال: ۶۱) اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو، تو بھی صلح کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ، یقیناً وہ بہت سننے جاننے والا ہے"

(۳۳) صلح میں باہم یہ طے ہوا کہ "یأمن: فیهن الناس ویكف بعضهم عن بعض" "لوگ آپس میں امن سے رہیں گے اور ایک دوسرے سے لڑائی نہیں کریں گے" معاہدے کی اس دفعہ سے معلوم ہوا کہ محاربین جب صلح کرلیں تو دوران صلح ان کا ایک دوسرے کو جانی و مالی نقصان پہنچانا جائز نہیں۔

(۳۴) اس شق سے مسلمانوں کے جذبات بہت مجروح ہوئے اور انہیں اس کا شدت سے ملال ہوا کہ قریش کے مظالم سے تنگ

آ کر جو مسلمان بھاگ کر ان کے پاس آ جائے گا اسے واپس قریش کی تحویل میں دے دیا جائے گا۔ اس پر انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا "یارسول اللہ (ﷺ)! کیا آپ ﷺ معاہدے کی اس شق پر راضی ہیں"؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا "ہاں! کیونکہ جو شخص ہم سے بھاگ کر قریش کے پاس جائے گا اس کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں اور جو شخص قریش سے بھاگ کر ہمارے پاس آئے گا اس کے لئے اللہ ضرور کوئی راستہ نکالے گا، چنانچہ دیکھا گیا کہ مکہ سے بھاگ کر آنے والوں کو مدینہ کی بجائے اہل مکہ کے تجارتی راستے پر قبضہ مل گیا جس سے اہل مکہ خوب پریشان ہوئے اور خود ہی اس شق کو ختم کرنے کی بات کی۔ (البیہقی، احمد بن الحسین، السنن الکبریٰ، مطبعۃ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد ۱۳۵۴ھ: ۹/ ۲۲۷، نیز البخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد، والمصالحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط، حدیث نمبر (۲۷۳۱،۲۷۳۲) ص: ۲۱۷ـ۲۱۸، دلائل النبوۃ: ۲/ ۲۴۳، ۲۴۵)

(۳۵) یہاں "عیبة مكفوفة" کے الفاظ ہیں جن سے مراد یہ ہے کہ ہمارے درمیان اس صلح کو توڑنے کے لیے باہر سے کوئی غداری داخل نہ ہو سکے گی۔ الروض الانف میں ہے۔ "ای صدور منطوية علی ما فيها لا تبدی عداوة" (السہیلی، الروض الانف، ۶/ ۴۸۸) شرح الطیبی میں ہے "ای صدراً نقيا عن الغل والخداع مطوياً علی حسن العهد والوفاء"، (شرف الدین حسین بن محمد، شرح الطیبی علی مشکوۃ المصابیح، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ۱۴۱۷ھ: ۸/ ۴۷، ۵/ ۲۳۵) مراد یہ ہے کہ ہمارے درمیان محفوظ عہد و پیمان ہے یعنی ایسے سینے ہیں کہ ان میں جو کچھ ہے وہ ان میں محفوظ ہے، وہ کسی قسم کی دشمنی کو ظاہر نہ کریں گے۔ آپ ﷺ نے ایک موقع پر "عیبة" کے لفظ کو راز کی جگہ اور قابل اعتماد ہونے کے لئے بطور ضرب المثل بھی ذکر کیا ہے۔ (الروض الانف: ۶/ ۴۸۸)

(۳۶) یہاں "اغلال واسلال" کے الفاظ ہیں اسل الشی سے مراد ہے چپکے سے کوئی شے چرالینا۔ "سل السيوف" سے مراد ہے تلوار سونتنا یعنی لڑائی کرنا۔ ضرب المثل

بھی ہے "الخلة تدعوا الى السَّلَّة" "خصلت چوری کرنے کا سبب ہوتی ہے" (الروض الانف: ۶/ ۴۸۹، شرح الطیبی: (م ن) ۸/ ۴۷، المنجد، مادہ "سل")

(۳۷) (ا) "اغلال": غل غلا وغليلاً دھوکے فریب والا ہونا "غلول" مال غنیمت سے چوری کو بھی کہتے ہیں۔ (الزبیدی، تاج العروس، مادہ "غـــــل"، سہیلی لکھتے ہیں "اغلال" سے مراد خیانت ہے (الروض الانف، ۶/ ۴۸۹)

ابن حجر لکھتے ہیں "لا اسلال ولا اغلال" ای لا سقة ولا خيانة" اور اس سے مراد یہ ہے کہ کسی قسم کی جانی و مالی خیانت خفیہ یا علانیہ نہ ہوگی۔ (والمراد أن يا من بعضهم من بعض فی نفوسهم و اموالهم سراً و جهراً) (فتح الباری، م ن: ۵/ ۲۵۲)

(ii) اس شق سے واضح ہوا کہ معاہدہ کی پابندی کی جائے اور معاہدین کے معاملے میں کھلی اور خفیہ ہر دونوں طریقوں سے ایسے تمام امور سے احتراز کیا جائے جو کہ معاہدہ شکنی کا باعث بنیں۔

(۳۸) (i) اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ جو افراد یا قبائل رسول اللہ ﷺ کی اتباع کریں گے وہ قریش کے ظلم کا شکار نہ ہو سکیں گے چنانچہ یہ سن کر قبیلہ خزاعہ نے فوراً کہا کہ ہم محمد ﷺ کے ساتھ اس معاہدہ میں شریک ہیں'' (الروض الانف: ۶/۴۶۳، فتح الباری: ۵/۲۴۶)

(ii) اس معاہدہ سے قبل قریش نے مسلمانوں کو محض ایک بھگوڑا پارٹی کی حیثیت دی ہوئی تھی اسی بنیاد پر انہوں نے نجاشی سے مسلمانوں کو مکہ واپس کرنے کا مطالبہ بھی کیا تھا۔ علاوہ ازیں انہوں نے یہود مدینہ اور مشرکین مدینہ کو بھی یہ لکھا کہ ہمارے آدمیوں کو ہمارے حوالے کر دو۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (ابوداؤد، السنن، کتاب الخراج والفئ والامارۃ، باب فی خبر النضیر، حدیث نمبر (۳۰۰۴) معاہدہ کی بالخصوص اس شق سے قریش نے پہلی مرتبہ مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کو تسلیم کیا اور ان سے مساوی سطح پر معاملات طے کیے۔ جس کا فوری اظہار یہ ہوا کہ قبیلہ خزاعہ نے بلا خطر مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کر لیا اور مسلمانوں سے باقاعدہ حلیفی کا معاہدہ بھی کیا (اس معاہدہ کا مکمل ذکر آئندہ صفحات میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے)۔ (ابن ہشام: ۳/۳۳۲، الروض الانف، ۶/۴۶۳، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، م ن، وثیقہ نمبر ۱۷۱)

(۳۹) **کسی پابندی کی وجہ سے احرام کھولنے کی اجازت:** معاہدے کی اس دفعہ کی رو سے رسول اللہ ﷺ نے احرام اتار دیا اور حلق کر دیا چنانچہ آپ کی دیکھا دیکھی تمام صحابہ بھی حالت احرام سے نکل گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی آدمی کو عمرہ کرنے سے روک دیا جائے تو وہ ادائیگی عمرہ کے بغیر بھی حالت احرام سے باہر آ سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے'' (آل عمران ۹۷، نیز ارشاد نبوی ہے: ((العمرة هي الحج الاصغر ......)) نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْىِ﴾ (البقرۃ: ۱۹۶) ''حج اور عمرے کو اللہ کے لئے پورا کرو، ہاں اگر تم روک لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہوا سے کر ڈالو''۔

کسائی، ابوعبیدہ اور اکثر اہل لغت کے نزدیک اس سے مرض یا نفقہ کا ختم ہو جانا یا دشمن کی وجہ سے پیدا ہونے والی رکاوٹ مراد ہے۔ جصاص اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء کے نزدیک دشمن کی رکاوٹ کی بنا پر احرام کھولنا جائز ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، الجصاص، ابی بکر احمد بن علی، احکام القرآن، سہیل اکیڈمی، لاہور: ۱/۲۷۲، ۲۷۴)

عہد حاضر میں اس رکاوٹ کی ایک شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اگر کسی نے غلط فہمی کی بنیاد پر احرام باندھ دیا اور اسے ویزا کی سہولت میسر نہ آئی یا اس پر حکومتی جانب سے پابندی لگادی گئی تب بھی اس کے لئے احرام کھولنا جائز ہے۔

(۴۰) اس شق سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ملک میں جانے کے لئے وہاں کی شرائط کی پابندی کرنا لازی ہے۔

(۴۱) یہ شق صرف طبری نے ذکر کی ہے ان کے علاوہ کسی دوسرے مصدر سے اس شق کی تصدیق نہیں ہوسکی۔
تفسیر طبری میں ہے "وعلى ان هذا الهدى حيثما حبسناه محله لا يقدمه علينا فقال لهم رسو ل الله ﷺ نحن نسوقه وأنتم تردون وجوهه فسار رسول الله ﷺ مع الهدى وسار الناس" (تفسیر الطبری:۲۶/۵۵، مسند احمد:۴/۳۲۵، مزید ملاحظہ ہو، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۱)

(۴۲) ابن منظور الافریقی، لسان العرب مادہ "سفر"

(۴۳) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ وثیقہ نمبر ۶۰ (نص ثانی)

(۴۴) الحسینی، السید محمد مرتضیٰ، تاج العروس، ۱۲/۴۱، مادہ "سفر"

(۴۵) الاصفهانی، الراغب، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القران، ص: ۲۳۴ نیز "عبارة الرسول كعبارة المرسل" السرخسی، ۱/۲۹۱

(۴۶) Encyclopedia, Americana, USA, Americana Corporation, 1961, Vol.1, p.470

(۴۷) ایک حدیث میں ہے کہ "دشمن سے جنگ کی تمنا نہ رکھو اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو" صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب كراهة تمنى لقاء العدوّ، حدیث نمبر (۴۵۴۲)

(۴۸) زاد المعاد، م ن، ۲/۵۳۳

(۴۹) زاد المعاد، ۲/۵۲۹، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، مکتبہ المعارف، بیروت: ۴/۱۶۶

(۵۰) ابن ہشام، م ن، ۳/۳۲۷، زاد المعاد، ۲/۵۲۸، قرآن مجید کی عمومی تعلیمات سے بھی سفراء کے لیے نرم گفتگو اور مجادلۃ حسنہ کا پتہ چلتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ○ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾ (طہ:۴۳:۴۴)، نیز قرآن کی آیت ﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (فصلت:۳۰، نیز النحل:۱۲۵) وغیرہ سے بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

(۵۱) ابو داؤد، السنن، کتاب الجهاد، باب فی الرسل، حدیث نمبر (۲۷۶۱)

(۵۲) ابن ہشام: ۳/۳۲۵، زاد المعاد: ۲/۵۲۸

(۵۳) ابن ہشام:۳/۳۳۱،زادالمعاد:۲/۵۲۹

(۵۴) البقرہ:۲۸۲

(۵۵) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن:۳/۳۷۷، ۳۷۸ نیز ابن کثیر، ابوالفداء عماد الدین اسماعیل، تفسیر القران العظیم، مطبعة المنار، قاہرہ، ۱۳۴۶:۱/۴۹۰

(۵۶) محمد رشید رضا' تفسیر المنار:۳/۱۰۰'۱۰۵' قرآن مجید کی بعض دیگر آیات مثلاً ﴿بِـاَیْـدِیْ سَـفَـرَۃٍO کِـرَامٍ م بَـرَرَۃٍ﴾ (عبس:۱۵-۱۶) 'سفرۃ' سے مراد تحریر ہے۔لسان العرب' مادۃ 'سفر) اور ﴿اِذْهَـبْ بِـكِتٰبِیْ هٰذَا﴾ (النمل:۲۸) سے بھی لکھی ہوئی دستاویز کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔

(۵۷) الواقدی، کتاب المغازی، ۲/۶۱۲ معاہدہ حدیبیہ کی دو نقول تیار کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاہدہ میں پختگی اور توثیق نیز ممکنہ غلط فہمی وغیرہ سے بچنے کے لیے معاہدہ کی تحریر کا فریقین کے پاس ہونا ضروری ہے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، (احمد ابوالوفاء محمد، المعاہدات الدولیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ، ص:۳۵)

(۵۸) البقرۃ:۲۸۲

(۵۹) ابن ہشام:۳/۳۳۳

(۶۰) التوبہ:۴

(۶۱) التوبۃ:۷

(۶۲) ابن القیم، احکام اہل الذمۃ، دارالعلم للملایین، بیروت، ۱۹۸۳ء:۲/۴۸۲، ۴۸۳

(۶۳) ابن ہشام:۳/۳۳۲

(۶۴) ملاحظہ ہوں، معاہدات، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ: معاہدہ نمبر ۹۴، ۱۵۱، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۷۱، ۱۸۶ ۔وغیرہ

(۶۵) التوبہ:۵

(۶۶) آل عمران:۱۳۹

(۶۷) ابن قدامہ، المغنی:۸/۴۵۹

(۶۸) الشیبانی، السیر الکبیر:۱/۱۹۰، ۱۹۱، ابن قدامہ، المغنی:۹/۲۸۶، ۲۸۷، ۸/۳۴۵

(۶۹) ملاحظہ ہوں مجید خدوری "War and peace" ص ۷۴، ۷۵، ۲۵۱

(۷۰) اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس کی مدت صلح دس برس تھی اسی بنیاد پر شوافع زیادہ سے زیادہ مدت صلح کو دس برس قرار دیتے ہیں۔الشافعی، محمد بن ادریس، الام، دارالمعرفۃ والنشر، بیروت، ۱۹۷۳ء:۴/۲۰۰

(۷۱) (جب حرام مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو) (التوبہ:۵)

(۷۲) اور اگر وہ (دشمن) سلامتی اور امن کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو (الانفال:۶۱)

(۷۳) ابن رشد الحفید ، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ،مطبعۃ الاستقامۃ ،۱۳۷۱ھ :۱/۳۱۳

(۷۴) ابن قدامۃ ،المغنی :۸/۴۶۰ نیز الشافعی ،کتاب الام :۴/۲۰۰

(۷۵) زادالمعاد :۲/۵۸۵ ،۴۶۹

(۷۶) فقہاء کی آراء کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ابن قدامہ، المغنی :۸/۴۶۰۔ نیز ملاحظہ ہو، البہوتی ، کشاف القناع علی متن الاقناع ،مطبعۃ انصار السنۃ :۳/۸۸، فتح القدیر ۴/۲۹۳، الدسوقی محمد بن احمد بن عرفۃ المالکی ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر ، دار الکتب العلمیۃ ، بیروت ، ۱۹۹۶ء :۲/۵۲۷ ، نیل الاوطار ۸/۲۰۴

(۷۷) عمدۃ القاری :۱۵/۱۰۵

(۷۸) النحل :۹۱

(۷۹) المومنون :۸

(۸۰) البخاری ،کتاب الجزیۃ والموادعۃ ،باب اثم الغادر للبر و الفاجر ' حدیث نمبر (۳۱۸۸)

(۸۱) البخاری ،م ن حدیث نمبر (۳۱۷۸)

(۸۲) ابن ہشام :۳/۳۳۷

(۸۳) ابن ہشام (م ن) نیز زادالمعاد :۲/۵۳۰

(۸۴) المبسوط ،۱۰/۸۸ ، نیز البحر الرائق :۵/۷۹

(۸۵) النساء :۹۲ تفسیر کے لیے ملاحظہ ہو، الرازی' فخر الدین ، مفاتیح الغیب (تفسیر الکبیر) المطبعۃ الخیریۃ ، ۱۳۰۷ھ :۳/۲۸۸، تفسیر المنار :۵/۳۳۴

(۸۶) الزحیلی ، آثار الحرب ، دار الفکر ، دمشق ، ۱۹۹۲ء :۶۹۰ ، مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، شرح السیر الکبیر :۵/۱۷۸۲ ، الخرشی حاشیہ الخرشی :۳/۱۵ ،

(۸۷) مسلم' کتاب الجہاد ، السیر ، باب صلح الحدیبیۃ ، حدیث نمبر (۴۶۳۱)

(۸۸) ابوعبید کتاب الاموال' فقرہ :۴۴۳' ابوعبید نے اس واقعہ کے ذیل میں حضرت علیؓ کا اثر بھی نقل کیا ہے کہ عراق میں حروریوں کی ایک باغی جماعت تھی جن سے مذاکرات کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بھیجا گیا تو ان باغیوں نے دیگر اعتراضات کے ساتھ ایک اعتراض یہ بھی کیا کہ حضرت علیؓ نے اپنے مخالفین کے ساتھ معاہدے میں ''امیر المومنین'' کا لقب مٹا دیا اس کا مطلب ہے کہ وہ ''امیر الکافرین'' ہوئے ۔اس کے جواب میں حضرت ابن عباسؓ نے

صلح حدیبیہ کی وہ شرط بیان کی جس کے مطابق آپ ﷺ ''محمد رسول اللہ'' کے بجائے ''محمد بن عبداللہ'' لکھ دیا تھا۔ ابوعبید، کتاب الاموال، طبع القاہرۃ، ۱۳۵۳ھ (م ن) فقرہ: ۴۴۳

(۸۹) زادالمعاد: ۲/۵۳۴

(۹۰) الاحزاب: ۱۰

(۹۱) ابن ہشام: ۳/۲۳۴، فقہا کی آراء کے لیے ملاحظہ ہو، ابوعبید' کتاب الاموال' فقرہ: ۴۴۴' نیز فتح الباری، ۵/۳۰۷، ابوعبید نے اس کے جواز میں حضرت معاویہ کا اثر بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے بھی اپنے عہد حکومت میں ایسا کیا تھا۔ ابوعبید (ن م) فقرہ: ۴۴۴

(۹۲) شرح السیر: ۴/۴

(۹۳) المغنی' ص: ۸/۴۶۰۔۴۶۱

(۹۴) الطبری' اختلاف الفقہاء: ۷/۱۸

(۹۵) ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم الحنفی، الاشباہ والنظائر، دار الفکر، بیروت، ص ۱۰۸، الحموی، احمد بن محمد، شرح **الاشباۃ والنظائر لابن نجیم، (غمز عیون البصائر)** ادارۃ القرآن، کراچی: ۱/۲۵۱

(۹۶) زادالمعاد: ۲/۵۳۵

(۹۷) فتح الباری: ۵/۲۵۴

(۹۸) شرح السیر: ۴/۶۴

(۹۹) الطیبی، شرح الطیبی: ۷/۱۱۰، ۱۱۱، ابن حجر، فتح الباری، ۶/۱۹۰، العینی، بدرالدین، عمدۃ القاری: ۱/۳۵

(۱۰۰) فتح الباری: ۵/۲۵۴، ابن قدامہ، المغنی: ۸/۴۶۵، شرح الخرشی: ۳/۱۵۱،

(۱۰۱) ابوھیف، القانون الدولی: ۲۹۲، ۲۹۵ نیز عفیفی محمد الصادق، الاسلام والمعاہدات الدولیۃ، مکتبۃ الانجلو المصریۃ، القاہرہ، ص: ۲۴۴، ۲۴۵

(۱۰۲) مجموعۃ الوثائق السیاسیہ، وثیقہ نمبر: ۱۱

(۱۰۳) **عفیفی، محمد الصادق، الاسلام والمعاهدات الدولية: ۲۵۹**

(۱۰۴) الانفال: ۶۰، آیت مذکورہ سے مسئلہ کے اس پہلو کی وضاحت ہوتی ہے کہ ایٹمی اسحہ کا حصول وتملک اور چیز ہے اور اس کا استعمال دوسری بات، ظاہر ہے کہ اسلامی ریاست جہاں اخلاقی اور قانونی طور پر اس بات کی پابند ہے کہ وہ ایسی مہارتیں حاصل کر لے تو دوسری طرف وہ بے شمار اخلاقی اور قانونی احکام کی پاسداری کی بھی پابند ہے جو شریعت اس پر ان ہتھیاروں کے استعمال کے سلسلہ میں لاگو کرتی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (عفیفی (م ن) ص: ۲۵۹)

(۱۰۵) (البقرۃ:۲۷۵)

(۱۰۶) (بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبی بالنسیہ، مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب الرہن و جوازہ فی الحضر و السفر)

(۱۰۷) (البخاری ، کتاب الرہن فی الحضر، باب الرہن عندالیہود، حدیث نمبر(۲۵۱۳)

(۱۰۸) (احکام الاحکام:۳/۱۹۶)

(۱۰۹) (ابن ہشام:۲/۶۳۹)

(۱۱۰) (المبسوط:۱۰/۹۲،شرح السیر الکبیر،۱/۷۰)

(۱۱۱) (ملاحظہ ہو۔شرح السیر الکبیر،۳/۱۷۷؛فتح القدیر،۴/۳۵۱،البحرالرائق،۵/۸۰؛مالک بن انس،المدونۃ الکبریٰ،مطبعۃ السعادۃ،۱۳۲۳ھ،۳/۱۰۲؛الام،۴/۱۹۸؛کشاف القناع،۳/۸۵،المغنی،۲/۱۰)